ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

# تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی
ITTI
IDARA-E-TAHQEEQ-O-TASNEEF-E-ISLAMI

اسلامی ریاست میں غیر مسلموں پر اسلامی قانون کا نفاذ؟
سید جلال الدین عمری (دہلی)

عارضی مقیمین مکہ کی میقات
ڈاکٹر محمود حسن الہ آبادی

شاہ ولی اللہ کی تنقید تصوف
ڈاکٹر سید علیم اشرف (جائس)

ہندوستان کی شرعی حیثیت
مفتی محمد شمیم اختر قاسمی (علی گڑھ)

مختلف فقہی مذاہب کے درمیان تلفیق
ڈاکٹر مسعود الرحمٰن خان (بھوپال)

تبصرے

ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی

پان والی کوٹھی، دودھ پور، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۱

ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

# تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

اکتوبر ——— دسمبر ۲۰۰۴ء

مدیر

سید جلال الدین عمری

معاون مدیر

محمد رضی الاسلام ندوی

پان والی کوٹھی دودھ پور علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲

پوسٹ بکس ۹۳

# سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ


جلد: ۲۳ شمارہ: ۴

رمضان المبارک ——— ذی قعدہ ۱۴۲۵ھ

اکتوبر ——— دسمبر ۲۰۰۴ء


## زرِ تعاون

### اندرونِ ملک

| | |
|---|---|
| فی شمارہ | ۲۵ روپے |
| سالانہ | ۱۰۰ روپے |
| سالانہ (لائبریریاں و ادارے) | ۱۲۵ روپے |

### بیرونِ ملک

| | |
|---|---|
| سالانہ انفرادی | ۴۰۰ روپے |
| سالانہ ادارے | ۶۰۰ روپے |

### پاکستان

| | |
|---|---|
| سالانہ انفرادی | ۲۰۰ روپے |
| سالانہ ادارے | ۳۰۰ روپے |


طابع و ناشر سید جلال الدین عمری نے دعوت آفسٹ پرنٹرس دہلی۔۶ سے چھپوا کر
ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی، پان والی کوٹھی، دودھ پور علی گڑھ سے شائع کیا

# فہرست


## حرفِ آغاز

اسلامی ریاست میں غیر مسلموں پر
اسلامی قانون کا نفاذ کس حد تک ہوگا؟ — سید جلال الدین عمری — ۵

## تحقیق وتنقید

عارضی مقیمینِ مکہ (آفاقی) کی میقات — ڈاکٹر محمود حسن (الہٰ آبادی) — ۱۹

## بحث ونظر

شاہ ولی اللہؒ کی تنقیدِ تصوف اور اس کی حدیں — ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی — ۳۶
ہندوستان کی شرعی حیثیت۔
(مولانا سعید احمد اکبرآبادی کے خیالات کا جائزہ) — مفتی محمد شمیم اختر قاسمی — ۶۰

## ترجمہ وتلخیص

فقہی مذاہب کے درمیان تلفیق — ڈاکٹر اسماعیل کوکصال — ۹۰
مترجم: ڈاکٹر مسعود الرحمٰن خاں ندوی

## تعارف وتبصرہ

مطالعۂ تفاسیرِ قرآن — پروفیسر بدرالدین الحافظ — ۱۱۳
قرآن اور سائنس (مجموعۂ مقالات) — مولانا محمد جرجیس کریمی — ۱۱۴

فہرست مضامین و مضمون نگاران
سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ، ۲۰۰۴ء — ۱۱۷

# اس شمارے کے لکھنے والے

۱۔ ڈاکٹر محمود حسن الہٰ آبادی ——————

۷۹، چوتھا نظام پورہ، بھیونڈی، تھانہ، (مہاراشٹر)

۲۔ ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی ——————

ناظم تعلیمات، دارالعلوم جائس (یوپی)

۳۔ مفتی محمد شمیم اختر قاسمی ——————

ریسرچ اسکالر، شعبۂ دینیات (سنی)، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۴۔ ڈاکٹر اسماعیل کوکصال ——————

پروفیسر ترکی یونیورسٹی، استنبول

۵۔ ڈاکٹر مسعود الرحمٰن خاں ندوی ——————

دارالھدیٰ، سعید کالونی، بھوپال

۶۔ پروفیسر بدرالدین الحافظ ——————

سابق صدر شعبۂ عربی، بنارس ہندو یونیورسٹی، بنارس

۷۔ مولانا محمد جرجیس کریمی ——————

رکن ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ

۸۔ سید جلال الدین عمری ——————

صدر ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی علی گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## حرف آغاز

اسلامی ریاست میں

# غیر مسلموں پر اسلامی قانون کا نفاذ کس حد تک ہوگا؟

——— سید جلال الدین عمری

رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد یہود کے مختلف قبائل سے، جو مدینہ کے اطراف میں آباد تھے، معاہدہ فرمایا تھا۔ اس معاہدہ کی رُو سے انہیں داخلی طور پر اپنے معاملات طے کرنے اور اپنے دین و مذہب پر عمل کرنے کی آزادی حاصل تھی، البتہ ریاست کے دفاع اور اس کے تحفظ میں وہ مسلمانوں کے ساتھ شریک تھے [۱] اس لحاظ سے وہ اسلامی ریاست مدینہ کا ایک حصہ بھی تھے اور ان کی جداگانہ حیثیت بھی تھی ۔ اس وجہ سے بعض حضرات نے یہودی آبادی کو ایک الگ آزاد ریاست قرار دیا ہے، اس کے لیے وہ 'دارالحرب' (غیر اسلامی ریاست) کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں، جس کا دار الاسلام سے معاہدۂ امن تھا۔ بعض دوسرے اصحابِ علم نے یہودیوں کو ایک ہی اسٹیٹ کے اندر پائی جانے والی آزاد قوم کی حیثیت دی ہے ۔ گویا اس کی حیثیت ریاست کے اندر ریاست کی تھی ۔ اس موضوع سے متعلق آیات کی تشریح اور احکام کے بیان میں ان دونوں رایوں کا اظہار ہوتا ہے۔

اس سے دوسوال پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اسلامی ریاست کا کسی غیر

---

[۱] ملاحظہ ہو راقم کی کتاب 'غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق' طبع دوم ص: ۲۷۱-۲۷۳، مطبوعہ ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی، علی گڑھ

اسلامی ریاست سے معاہدۂ امن یا معاہدۂ صلح ہو اور وہ اپنے کسی (مذہبی) معاملہ میں اسلامی ریاست کی طرف رجوع کرے اور اس کا فیصلہ چاہے تو اس کے لیے فیصلہ کرنا ضروری ہے، یا وہ اس میں دخل دینے سے انکار بھی کرسکتی ہے؟ اگر فیصلہ کرے تو کیا اس ریاست کے (مذہبی) قانون کے تحت فیصلہ کرے گی یا اسلامی قانون کے تحت فیصلہ سنائے گی؟

دوسرے یہ کہ جو غیر مسلم اسلامی ریاست کے شہری ہیں کیا ان پر بھی اسلامی قانون پوری طرح نافذ ہوگا، یا وہ اپنے مذہبی امور میں آزاد ہوں گے؟ آزاد ہوں گے تو کس حد تک؟

آئندہ صفحات میں ان دونوں پہلوؤں سے متعلق اسلامی نقطۂ نظر جاننے کی کوشش کی جائے گی۔

## اہلِ صلح کے نزاعات کا فیصلہ لازم نہیں ہے

یہود توریت پر ایمان کے دعوے دار تھے۔ وہ اپنے معاملات اس کے مطابق طے کرسکتے تھے، لیکن اس کا کوئی حکم ان پر شاق گزرتا اور وہ اس سے بچنا چاہتے تو اس کی ایک تدبیر یہ اختیار کرتے کہ رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ کے طالب ہوتے۔ مقصد یہ ہوتا کہ توریت کے قانون کے مقابلے میں اس میں آسانی ہو تو اسے اختیار کرلیا جائے، ورنہ رد کردیا جائے۔ اس سلسلہ میں حکم ہوا:

| | |
|---|---|
| سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ | (احبار و رہبان کے) جھوٹ کو کان لگا کر سننے والے اور بری طرح حرام کھانے والے، اگر یہ تمہارے پاس آئیں تو تمہیں اختیار ہے کہ ان کے درمیان فیصلہ کردو یا ان سے اعراض کرو۔ اگر تم ان سے اعراض کرلو |

یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ (المائدۃ:۴۲)

تو تمھیں یہ نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اگر فیصلہ کرو تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی ریاست کا کسی غیر اسلامی ریاست سے معاہدۂ امن و صلح ہو تو اسلامی ریاست اس کے معاملات میں دخل نہیں دے گی، لیکن وہ اپنے کسی معاملہ میں اسلامی ریاست کی طرف رجوع کرے تو اسلامی ریاست کو فیصلہ کرنے اور نہ کرنے کا اختیار ہے۔ اپنے حالات اور مصالح کے تحت وہ مقدمہ کا فیصلہ کر بھی سکتی ہے اور اس سے انکار کا بھی اسے اختیار ہے، لیکن جب بھی فیصلہ کرے گی، حق و انصاف کے مطابق کرے گی۔ اس سلسلے میں آگے چل کر فرمایا:

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقاً لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْکِتَابِ وَمُهَیْمِناً عَلَیْهِ فَاحْکُمْ بَیْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَاتَتَّبِعْ اَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَکَ مِنَ الْحَقِّ لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجاً............ (المائدۃ:۴۸)

اور ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے جو سابقہ کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی نگہبان اور محافظ ہے۔ پس آپ ان کے درمیان اس کتاب کے مطابق فیصلہ کیجیے جو اللہ نے نازل کی ہے اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے اسے چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور طریقہ رکھا ہے۔

مزید تاکید کے ساتھ فرمایا:

وَاَنِ احْکُمْ بَیْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَاتَتَّبِعْ اَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ یَّفْتِنُوکَ عَنْ بَعْضِ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْکَ ............ (المائدۃ:۴۹)

اور فیصلہ کرو ان کے درمیان اس کتاب کے مطابق جو اللہ نے نازل کی ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو اور ان سے بچے رہو کہ اللہ نے جو دین تم پر نازل کیا ہے کہیں اس کے کسی حکم سے وہ تمھیں پھیر نہ دیں۔

ان آیات میں کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے یہود و نصاریٰ کو ان کے مناسب حال شریعتیں دی گئی تھیں اور ان پر عمل کا انہیں پابند بنایا گیا تھا۔ اسی طرح ہر قوم کے لیے الگ شریعت رہی ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے۔ یہ دوسری آسمانی کتابوں کی نگراں اور محافظ ہے جو بتاتی ہے کہ ان کتابوں اور شریعتوں میں کیا تحریف اور ترمیم ہوئی ہے اور کس طرح اللہ کے احکام کو بدلا گیا ہے۔ اس کا کتنا حصہ محفوظ اور کتنا غیر محفوظ ہے۔ اس کتاب کے آنے کے بعد سابقہ تمام شریعتیں منسوخ ہو گئیں، اب آپ کسی دوسری ہدایت یا دوسری شریعت کے پابند نہیں ہیں، آپ تمام معاملات کا فیصلہ اس کتاب کے مطابق کریں۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ ان آیات کے ذریعہ آیت ۴۲: کا حکم منسوخ ہو گیا، جس میں آپ کو فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ اب آپ کے لیے ان کے مقدمات کا فیصلہ کرنا لازم ہے لیکن یہ خیال درست نہیں معلوم ہوتا، اس لیے کہ یہ ایک ہی سلسلۂ بیان ہے۔ اس میں بعض آیات کو ناسخ اور بعض کو منسوخ قرار دینے کا کوئی مضبوط قرینہ نہیں ہے۔ ان دونوں آیات میں غیر مسلموں کے دو الگ طبقات کا ذکر ہے۔ اس کی وضاحت بعض دوسرے اہلِ علم نے اس طرح کی ہے کہ آیت: ۴۲ اہلِ صلح یا اہلِ موادعہ سے متعلق ہے۔ ان کے معاملات آپ کے سامنے آئیں تو آپ کو فیصلہ کرنے اور نہ کرنے کا اختیار تھا، لیکن بعد کی آیات ذمیوں سے متعلق ہیں۔ ان کے معاملات کا فیصلہ کرنا آپ کے لیے لازم تھا، علامہ ابو بکر جصاص حنفیؒ کہتے ہیں:

''ان آیات میں ناسخ و منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں ہے، جس آیت میں آپ کو فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اس کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو اسلامی ریاست کے شہری نہیں ہیں۔ اسلامی ریاست کی اگر دارالحرب سے صلح ہے اور وہ کسی معاملہ میں اسلامی ریاست کا فیصلہ چاہے تو وہ (اپنے مصالح کے پیشِ نظر) فیصلہ کر بھی سکتی ہے اور یہ بھی کہہ سکتی ہے کہ وہ اپنے قوانین کے تحت خود فیصلہ کرلیں، لیکن جو

لوگ اسلامی ریاست کے ذمی ہیں وہ بہر حال اسلامی قوانین کے پابند ہوں گے‘‘۔[۱]

علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں:

’’یہود اہلِ صلح تھے، ذمی نہیں تھے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ جب ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو ان سے صلح کی تھی، ہمارے لیے کفار (غیر مسلموں) کے درمیان فیصلہ کرنا، اگر وہ ذمی نہیں ہیں تو واجب نہیں ہے، البتہ ہم چاہیں تو فیصلہ کرسکتے ہیں‘‘۔[۲]

امام رازیؒ کہتے ہیں:

’’اسلامی ریاست کا کسی غیر اسلامی ریاست سے خاص مدت کے لیے معاہدہ ہو تو ریاست کے حاکم کے لیے لازم نہیں ہے کہ معاہد قوم کے معاملات میں فیصلہ کرے۔ اسی اختیار کا آیت: ۴۲ میں ذکر ہے جو معاہد قوم کے ساتھ مخصوص ہے‘‘۔[۳]

ابو حیان اندلسیؒ کہتے ہیں:

’’امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ ذمی اگر اپنا مقدمہ مسلمان حاکم کے پاس لائیں تو فیصلہ کرنا واجب ہے۔ باقی رہے معاہد جن کا مسلمانوں کے ساتھ خاص مدت کے لیے معاہدہ ہو، ان کے معاملات کا فیصلہ کرنا ضروری نہیں ہے۔ ان کے سلسلے میں حاکم کو فیصلے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہوگا۔ اسی اختیار کا آیت ۴۲ میں ذکر ہے۔ یہ معاہدین کے ساتھ مخصوص ہے‘‘۔[۴]

علامہ رشید رضا مصریؒ کہتے ہیں:

’’ان آیات کا سلسلۂ کلام ایک ہے۔ ان میں کسی کو ناسخ اور کسی کو منسوخ ماننا

---

۱۔ جصاص کے الفاظ ہیں۔ التخییر فی أهل العهد الذین لاذمة لهم ولم یجر علیهم أحكام المسلمین كأهل الحرب إذا هادنّاهم وإیجاب الحكم بما أنزل الله فی أهل الذمة الذین یجری علیهم أحكام المسلمین۔ جصاص، احکام القرآن: ۵۴۳/۲۔ دار الکتب العلمیة بیروت لبنان ۱۹۹۴ء

۲۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن: ج ۳، جزء ۶، ص: ۱۲۰، دار الکتب العلمیة بیروت لبنان ۱۹۸۸ء

۳۔ رازی، مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) ج ۶، جزء ۱۱، ص: ۱۸۶، طبع دار الکتب العلمیة بیروت لبنان ۱۹۹۰ء

۴۔ ابو حیان، البحر المحیط، ۵۰۲/۳، دار الکتب العلمیة، بیروت لبنان، ۱۹۹۳ء

صحیح نہیں ہے۔آیت کے ذیل میں راجح قول یہی ہے کہ حاکم کو فیصلے کا اختیار معاہدین کے سلسلے میں حاصل ہے، ذمیوں کے سلسلے میں نہیں ہے۔اس لحاظ سے مسلمان حکام کے لیے ان اجنبیوں کے معاملات میں فیصلہ کرنا، جو ملک میں موجود (یا اس کے شہری) نہیں ہیں،ضروری نہیں ہے ، لیکن اہل ذمہ ہماری طرف رجوع کریں تو ان کے معاملات کا فیصلہ کرنا لازم ہے''[۱]

## ذمیوں کے درمیان فیصلہ کرنا لازم ہے:

اس سے واضح ہے کہ اس بحث کا تعلق اہلِ صلح یا اہلِ موادعہ سے ہے، وہ اگر کسی معاملہ میں اسلامی ریاست کی طرف رجوع کریں تو ضروری نہیں کہ اسلامی ریاست اس کا فیصلہ کرے۔حالات کے لحاظ سے اسے فیصلہ کرنے اور نہ کرنے کا اختیار حاصل رہے گا ۔ذمیوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے ۔ وہ اسلامی ریاست کے شہری ہیں۔ وہ اگر ایک دوسرے کے حقوق تلف کریں اور ظلم و زیادتی کا ارتکاب کریں یا فریقین میں سے ایک مسلمان اور دوسرا ذمی ہوتو اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے کہ ان کے درمیان عدل وانصاف کے مطابق فیصلہ کرے۔قاضی بیضاویؒ کہتے ہیں :

''اگر قاضی کے سامنے دو ذمیوں کا مقدمہ پیش ہو یا ان میں کا ایک ذمی اور دوسرا مسلمان ہوتو صحیح بات یہ ہے کہ اس کا فیصلہ کرنا واجب ہے ۔ کیوں کہ ہم نے اپنے اوپر لازم کررکھا ہے کہ ذمیوں کا دفاع کریں گے اور ان پر ظلم ہوتو اسے دور کریں گے ۔ آیت ۴۲،جس میں فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے ،اس کا تعلق ذمیوں سے نہیں ہے''[۲]

علماء نے لکھا ہے کہ اگر مقدمہ مسلمان اور ذمی کا ہوتو اسلامی ریاست کے لیے اس کا فیصلہ کرنا واجب ہے۔علامہ بغویؒ کہتے ہیں:

''اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر ہمارے سامنے مسلمان اور ذمی کا

---

[۱] رشید رضا، تفسیر المنار، ۳۴۹/۶، دارالمعرفۃ ، بیروت لبنان ،۱۹۹۳ء

[۲] بیضاوی، انوار التنزیل واسرار التاویل :۲۶۷/۱، دارالکتب العلمیۃ ، بیروت لبنان ۱۹۸۸ء

مقدمہ پیش ہو تو ان کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے، اس لیے کہ مسلمان کے لیے اہل ذمہ کے فیصلے کا قبول کرنا جائز نہیں ہے“[۱]

علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ نے صراحت کی ہے:

| | |
|---|---|
| واذا تحاكم مسلم و ذمی وجب الحكم بينهم بغير خلاف لأنه يجب دفع ظلم كل أحد منهما عن صاحبه.[۲] | مسلمان اور ذمی فیصلے کے لیے آئیں تو ان کے درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان میں سے جو بھی کسی پر ظلم کرے اسے دفع کرنا واجب ہے۔ |

یہ بات طے ہے کہ اسلامی عدالت جو فیصلہ کرے گی وہ اسلامی شریعت کے مطابق کرے گی۔ کسی دوسرے مذہبی یا ملکی اور ملّی قانون کا اتباع اس کے لیے جائز نہیں ہے۔

قرآن مجید نے اس ذیل میں صراحت کردی ہے۔

| | |
|---|---|
| وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَاتَتَّبِعْ اَهْوَاءَ هُمْ (المائدۃ:۴۹) | فیصلہ کرو ان کے درمیان اس قانون کے مطابق جو اللہ نے نازل کیا ہے اور ان کی خواہشات کی اتباع نہ کرو۔ |

علامہ ماوردیؒ ان علماء میں ہیں جن کا خیال ہے کہ المائدۃ آیت ۴۲ میں اہل کتاب کے مقدمات کا فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا جو اختیار دیا گیا تھا وہ اس آیت کے ذریعہ ختم ہوگیا۔ فرماتے ہیں: اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مقدمات ہم اپنے قانونِ شرع کے مطابق کریں گے:

| | |
|---|---|
| هذا يدل علىٰ وجوب الحكم بين أهل الكتاب إذا تحاكموا إلينا | یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اہل کتاب اگر ہماری طرف رجوع کریں تو ان کے |

---

[۱] بغوی، معالم التنزیل علیٰ ہامش الخازن: ۲/۴۷۲، دار الکتب العلمیۃ بیروت لبنان ۱۹۹۵ء

[۲] ابن قدامۃ، المغنی: ۱۲/۳۸۳۔ مطبع ہجر قاہرہ، طبع دوم ۱۹۹۲ء

وان لانحکم بینھم بتوراتھم ولابانجیلھم[۱]

درمیان فیصلہ کرنا واجب ہے اور یہ کہ ہم ان کے توریت اور انجیل کے مطابق فیصلہ نہیں کریں گے۔

علامہ ابن کثیرؒ اس حکم کو اہل کتاب کے ساتھ مخصوص نہیں سمجھتے، بلکہ اسے وسیع معنی میں لیتے ہیں۔ کہتے ہیں:

أی فاحکم بینھم یا محمد بین الناس عربھم وعجمھم وأمّیھم وکتابیھم بما أنزل اللہ إلیک فی ھذا الکتاب العظیم وبماقرّرہ لک من حکم ماکان من قبلک من الأنبیاء ولم ینسخہ فی شرعک.

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد ﷺ آپ لوگوں کے درمیان چاہے وہ عرب ہوں یا عجم، امّی (ناخواندہ) ہوں یا اہل کتاب، فیصلہ اس کتاب عظیم کے مطابق کیجیے جو اللہ نے آپ پر نازل کی ہے اور جو آپ سے پہلے کے انبیاء ہیں ان کی ان تعلیمات کے مطابق کیجیے جنہیں اللہ نے آپ کی شریعت میں باقی رکھا ہے اور منسوخ نہیں کیا ہے۔

ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ آیت کی یہی توجیہ امام طبریؒ نے کی ہے۔[۲]

حقیقت یہ ہے کہ اسلامی ریاست کی اساس اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت ہے۔ وہ اس کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کرسکتی۔ چناں چہ ان ہی آیات کے ذیل میں کہا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ کی کتاب اور اس کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ کافر ہیں (آیت:۴۵) ظالم ہیں (آیت:۴۶) اور فاسق ہیں (آیت: ۴۷) ان آیات میں براہ راست اہل کتاب کو تنبیہ اور توبیخ کی گئی ہے، لیکن اس میں اہل ایمان کے لیے بھی ہدایت ہے کہ وہ اپنے فیصلوں میں اسلامی قانون سے انحراف نہ کریں اور اس کے تابع رہیں۔

---

[۱] ماوردی، النکت والعیون: ۱/۴۷۱، مطابع مقھوی الکویت، طبع اول ۱۹۸۲ء

[۲] ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم: ۲/۶۶، داراحیاء التراث العربی، بیروت لبنان ۱۹۶۹ء

## ذمیوں پر اسلامی قانون کا کس حد تک نفاذ ہوگا؟

ذمیوں کے متعلق ایک اہم سوال یہ ہے کہ وہ اسلامی ریاست میں اسلامی قانون کے ہر معاملہ میں پابند ہوں گے یا انہیں کسی دائرے میں اپنے معاملات طے کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی آزادی حاصل ہوگی؟

## ذمی اپنے پرسنل لا پر عمل میں آزاد ہوں گے:

اس معاملہ میں اسلامی قانون یہ ہے کہ ذمی اپنے مذہب پر عمل کے لیے آزاد ہیں۔ وہ عبادت گاہیں اپنی آبادیوں میں تعمیر کر سکتے ہیں اور انہیں آباد رکھ سکتے ہیں۔[۱]

جہاں تک ان کے نکاح، طلاق، وراثت وغیرہ عائلی قوانین، جنہیں پرسنل لا کہا جاتا ہے، کا تعلق ہے، اس میں وہ آزاد ہوں گے۔ البتہ اسلامی عدالت سے وہ کوئی فیصلہ کرانا چاہیں تو وہ اسلامی قانون کے تحت فیصلہ کرے گی، ان کے قانون کی اتباع نہ کرے گی۔ اس موضوع پر علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ نے تفصیل سے بحث کی ہے۔ اس کے نکات یہاں پیش کیے جارہے ہیں:

۱۔ اسلام کے نکاح وطلاق کے قوانین، اگر وہ چاہیں تو ان کے لیے بھی ہوں گے، جیسے طلاق، ظہار، ایلاء، مہر کا وجوب، بیویوں کے پاس شب باشی کی مساوی تقسیم، مطلقہ عورت کے سابق شوہر کے لیے حلال ہونے کی شرعی صورت، احصان، (آدمی کا شادی شدہ ہونا) وغیرہ۔ اسی طرح جو رشتے مسلمانوں کے لیے حرام ہیں وہ ان کے لیے بھی حرام ہوں گے۔

۲۔ ان کے جو نکاح اسلامی شریعت کے لحاظ سے ناجائز اور حرام چلے آرہے ہیں ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔ ہم انہیں دو شرطوں کے ساتھ باقی رکھیں گے: ایک یہ کہ وہ اس معاملہ میں ہماری طرف رجوع نہ کریں، ورنہ ہم اپنے قانون کے تحت فیصلہ کریں گے، دوسری شرط یہ کہ وہ نکاح خود ان کے مذہب اور عقیدے کے لحاظ

---

[۱] تفصیل کے لیے دیکھی جائے راقم کی کتاب 'غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق'

سے جائز ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے ہجر کے مجوس سے جزیہ لیا، لیکن ان کے نکاح اور ازدواجی قوانین سے تعرض نہیں کیا، جب کہ یہ بات معلوم تھی کہ وہ اسلامی نقطۂ نظر سے محرمات سے نکاح کو جائز سمجھتے ہیں۔[۱]

یہی بات علامہ ابن قیمؒ نے أحکام أہل الذمہ میں کہی ہے۔[۲]

اس کا مطلب یہ ہے کہ ذمی اپنے عائلی مسائل کا فیصلہ اسلامی ریاست سے کرانا چاہیں تو وہ اسلامی قانون کے تحت فیصلہ کرے گی، لیکن اگر وہ ان معاملات میں اس کی طرف رجوع نہ کریں اور اپنے مذہبی قوانین پر عمل کرنا اور اس کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیں تو انہیں اس کا حق حاصل رہے گا۔ امام زہریؒ کہتے ہیں۔

مضت السنة أن يرد أهل الكتاب في حقوقهم ومواريثهم إلىٰ أهل دينهم إلا أن ياتوا راغبين في حكم الله فيحكم بينهم بكتاب الله ۔[۳]

سنت یہ رہی ہے کہ اہل کتاب کو ان کے حقوق اور وراثت کے معاملہ میں ان کے مذہبی ذمہ داروں کی طرف لوٹا دیا جائے گا (کہ وہ ان کے فیصلوں پر عمل کریں) لیکن اگر وہ اللہ کے حکم کے تحت فیصلہ کے لیے ہمارے پاس بخوشی آئیں تو اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

۳۔ قرض یا لین دین کے معاملات میں اسلامی قانون کے تحت ان کے نزاعات کا فیصلہ لازماً کیا جائے گا اس لیے کہ ظلم اور فساد کو ختم کرنے کے لیے یہ ضروری ہے۔[۴]

۴۔ انہیں معاشرہ میں فساد پھیلانے کی اجازت نہ ہوگی۔ اس کے لیے اسلامی قانون کے وہ پابند ہوں گے، ان سے ہمارا معاہدہ یہ نہیں ہے کہ وہ فساد پھیلا سکتے

---

۱ ابن قدامہ، المغنی: ۳۳/۱۰

۲ ابن قیم، احکام اہل الذمۃ: ۶۴/۲۔ مطبع مادی سعودی عرب ۱۹۹۷ء

۳ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، جلد ۳، جزء ۶، ص: ۱۲۱

۴ حوالۂ سابق

ہیں، فساد چاہے وہ کریں یا کوئی اور، اسے ختم کرنا بہرحال ضروری ہے، اس سے (خود) ان کے جان و مال محفوظ ہوں گے۔ اگر ان کے مذہب میں اس کی اجازت ہو تو بھی اسلامی ریاست اس کی اجازت نہ دے گی، اسی وجہ سے ہم انہیں برسرِ عام شراب کا کاروبار کرنے یا زنا اور بدکاری پھیلانے سے منع کریں گے، ورنہ عام مسلمانوں میں بھی یہ چیزیں پھیل سکتی ہیں۔[1]

امام ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ ذمی کھلے عام فحش کاموں کا ارتکاب کریں، مثال کے طور پر زنا اور لواطت جیسے اعمال یا وہ سودی کاروبار کرنے لگیں تو انہیں اس سے باز رکھا جائے گا۔ اس لیے کہ نکاح کی طرح یہ ان کا ذاتی معاملہ نہیں ہے، بلکہ اس کا اثر پورے معاشرہ پر پڑسکتا ہے، اس لیے اس کی انہیں اجازت نہ ہوگی۔[2]

اس معاملہ میں احناف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ بیوع، تجارت، لین دین کے معاملات اور وراثت وغیرہ میں ذمی اسلامی احکام کے پابند ہوں گے، البتہ انہیں شراب اور خنزیر کی خرید و فروخت کی اجازت ہوگی۔ اس لیے کہ یہ ان کے ساتھ معاہدہ میں شامل ہے، لیکن مسلمانوں کی طرح انہیں بھی زنا اور بدکاریوں کی اجازت نہ ہوگی، ان کے جو نکاح پہلے ہو چکے ہیں ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا، لیکن اگر وہ ہماری طرف رجوع کریں تو اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔[3]

علامہ ابوبکر جصاصؒ نے زیادہ تفصیل سے اس پر گفتگو کی ہے۔ فرماتے ہیں:

''احناف کی رائے یہ ہے کہ بیع (خرید و فروخت) وراثت اور تمام کاروباری معاہدوں میں مسلمانوں کی طرح ذمی بھی احکامِ اسلام کے پابند ہوں گے، البتہ انہیں اپنے درمیان شراب اور خنزیر کی خرید و فروخت کی اجازت ہوگی۔ اس لیے کہ ان کے نزدیک یہ چیزیں مال شمار ہوتی ہیں، اگر ان کی خرید و فروخت، اس میں تصرف اور اس

---

[1] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، جلد۳، جزء ۶، ص:۱۲۱

[2] ابن قیم، احکام أہل الذمۃ: ۷۶۵/۲

[3] آلوسی، روح المعانی: جلد۳، جزء ۶، ص: ۳۰۰، دار الکتب العلمیۃ لبنان ۱۹۹۴ء

سے انتفاع ان کے لیے جائز نہ ہوتو یہ چیزیں ان کے لیے مال نہ ہوں گی۔ اگر کوئی انہیں ختم کردے تو اس پر تاوان لازم نہ آئے گا، حالاں کہ اس بارے میں، ہمارے علم کی حد تک، فقہاء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص ذمی کی شراب ختم کردے تو اس کی قیمت اسے ادا کرنی ہوگی، چناں چہ یہی بات حضرت عمرؓ نے اپنے گورنروں کولکھی تھی کہ ذمیوں کو ان چیزوں کی خرید وفروخت کی اجازت دی جائے، اس سے جو منافع انہیں حاصل ہوں اس سے عُشر (زمین کا ٹیکس) لیا جائے، ان کے علاوہ باقی معاملات میں وہ ہمارے احکام کے پابند ہوں گے۔[۱] جہاں تک ان کے ازدواجی رشتوں اور نکاح کا تعلق ہے، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس معاملہ میں ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا، ہاں زوجین کسی معاملہ میں ہمارا فیصلہ چاہیں تو ہم اپنے قانون کے تحت فیصلہ کریں گے، لیکن اگر دونوں میں سے کوئی ایک اس کے لیے آمادہ نہ ہوتو ہم فیصلہ نہیں کریں گے۔[۲]

امام ابوحنیفہؒ کی اپنے مسلک کے حق میں دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجر (بحرین) کے مجوس سے جزیہ لیا، حالاں کہ یہ بات آپ کے علم میں تھی کہ وہ محرمات سے نکاح کو جائز سمجھتے ہیں، آپ نے اس طرح کے رشتوں کے درمیان تفریق کا حکم نہیں دیا، اسی طرح یہود ونصاریٰ بہت سے ان رشتوں کو حلال تصور کرتے ہیں جو ہمارے نزدیک حرام ہیں، آپ نے اہلِ نجران اور وادی قریٰ کے لوگوں کو ذمی بنایا اور ان سے جزیہ لیا، لیکن ان کے ان رشتوں کوختم کرنے کا حکم نہیں دیا۔

آپ نے ان کے ان رشتوں کو بھی باقی رکھا اور انہیں اپنے مذہب اور عقیدہ پر بھی قائم رہنے دیا، حالاں کہ وہ ہمارے نقطۂ نظر سے فاسد اور باطل ہے، اسی طرح حضرت عمرؓ نے عراق کو فتح کرنے کے بعد وہاں کے باشندوں کے ازدواجی رشتوں کو

---

۱ جصاص، اَحکام القرآن: ۲/۵۴۲، ۵۴۳

۲ ایک جزوی مسئلہ یہ ہے کہ اگر بغیر گواہوں کے یا زمانۂ عدت میں ان کا نکاح ہوگیا ہے تو تفریق نہیں کرائی جائے گی۔

باقی رکھا، یہ بات ثابت نہیں ہے کہ محرمات سے ان کے جو رشتے ہوگئے تھے ان کے درمیان تفریق کرائی ہو۔ حضرت عمرؓ کے بعد امت کا ہمیشہ اس پر عمل رہا ہے اور اسی کو اس نے اپنایا ہے۔[۳]

اس سے دو باتیں بالکل واضح ہیں:

۱۔ اسلامی ریاست میں اسلامی قانون کی حیثیت ملکی قانون کی ہوگی۔ ریاست کا ہر شہری، مسلمان ہو یا غیر مسلم (ذمی) اس کا پابند ہوگا، اسی کے مطابق ان کے معاملات طے ہوں گے، حدود و تعزیرات بھی نافذ ہوں گی۔ (فقہاء احناف کے نزدیک شادی شدہ غیر مسلم کو زنا کے ارتکاب پر رجم کی سزا نہیں دی جائے گی۔ اس پر بحث آئندہ آئے گی)

۲۔ نکاح اور ازدواجی تعلق کے معاملہ میں ذمی اسلامی قانون کے پابند نہیں ہیں۔ وہ اپنے مذہب اور طریقہ پر عمل کر سکتے ہیں۔ ہاں اگر وہ ان امور میں اسلامی ریاست کی طرف رجوع کریں تو اسلامی قانون کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا (احناف کے ہاں فیصلہ کرنا ضروری ہے)

بعض فقہاء کے ہاں ذمیوں کو اس سے زیادہ حقوق اور اختیارات دیے گئے ہیں۔ وہ یہ کہ ذمی اگر ہماری طرف رجوع بھی کریں تو فیصلہ کرنا ضروری نہیں ہے، اسے ان کے مذہبی رہنماؤں کے حوالہ کیا جا سکتا ہے، چناں چہ ابن خویز منداد کے حوالے سے علامہ قرطبی مالکیؒ کہتے ہیں:

”ذمی اگر ایک دوسرے کے خلاف شکایت کریں اور مدد طلب کریں تو حاکم انہیں عدالت میں طلب نہیں کرے گا، (بلکہ انہیں اپنے معاملات خود طے کرنے کے لیے کہے گا) وہ اپنے مذہبی امور میں ہمارے قانون کے پابند نہیں ہیں، انہیں اس کا پابند بنانے میں ایک تو ان کے مذہبی امور کے نگرانوں اور حکام کا نقصان ہوگا اور دوسرے یہ

---

[۱] ایک جزوی مسئلہ یہ ہے کہ اگر بغیر گواہوں کے یا زمانۂ عدت میں ان کا نکاح ہوگیا ہے تو تفریق نہیں کرائی جائے گی۔

کہ یہ ان کے مذہب میں ترمیم ہوگی۔ ان معاملات میں اگر وہ ہمارا فیصلہ قبول کرنے کے لیے تیار ہوں تو بھی حاکم کو فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا بہر حال اختیار رہے گا، البتہ وہ جب فیصلہ کرے گا تو اسلامی قانون کے مطابق کرے گا''[1]

بعض فقہاء نے اس معاملہ میں ذمیوں کے مذہبی رہنماؤں کے اتفاق کو بھی ضروری قرار دیا ہے۔ علامہ ابو حیان اندلسیؒ کہتے ہیں:

''فَاِنْ جَاءُ وکَ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْھُمْ کے الفاظ بظاہر اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ دعویٰ کرنے والے دونوں فریق حاکم کے پاس آئیں اور اس کے فیصلے پر رضامندی ظاہر کریں تو فیصلہ کیا جا سکتا ہے، فیصلہ کے لیے یہ بات کافی ہے۔ لیکن ابن قاسمؒ کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ ان کے مذہبی رہنماؤں کا بھی اس کے لیے آمادہ ہونا ضروری ہے، اگر مذہبی رہنما راضی ہو جائیں اور فریقین راضی نہ ہوں، یا فریقین راضی ہوں اور مذہبی راہنما راضی نہ ہوں تو حاکم کے لیے فیصلہ کرنا صحیح نہ ہوگا''[2]

اس سے واضح ہے کہ اسلامی ریاست میں ذمیوں پر بھی اسلامی قانون نافذ ہوگا۔ لیکن انہیں اپنے پرسنل لا پر عمل کی آزادی ہوگی، اس میں ان کے مذہبی رہنماؤں کو بھی خاص اختیارات دیے جا سکتے ہیں، اس کے لیے ریاست قانون وضع کر سکتی ہے۔

---

[1] قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، جلد ۳، جزء ۶، ص: ۱۲۱

[2] ابو حیان اندلسی، البحر المحیط، ۵۰۲/۳

# عارضی مقیمینِ مکہ (آفاقی) کی میقات

—————— ڈاکٹر محمود حسن الہ آبادی

تطلیقاتِ ثلٰثہ اور رکعاتِ تراویح کی طرح آفاقی (عارضی مقیمینِ مکہ) کی میقات کے مسئلہ میں اہلِ حدیث اور غیر اہلِ حدیث علماء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ جمہور کے مسلک کے برخلاف علمائے اہلِ حدیث حج، عمرہ یا کسی اور مقصد کے لیے مکہ میں عارضی طور سے مقیم باہر کے افراد کے لیے تنعیم یا مسجدِ عائشہ اور جعرّانہ کو، جو حوالی مکہ میں واقع ہیں، میقات نہیں سمجھتے۔ ان کا کہنا ہے کہ آں حضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو، جو حیض آجانے کے سبب عمرہ نہیں کرسکی تھیں، حضرت عبد الرحمٰن بن ابو بکر رضی اللہ عنہما کے ساتھ تنعیم بھیجا، تاکہ وہ (حضرت عائشہؓ) وہاں سے احرام باندھ کر آئیں اور طواف اور سعی کر کے عمرۃ القضاء ادا کرلیں۔ یہ رخصت خصوصی تھی۔ اگر کوئی خاتون عمرہ کی تکمیل کے دوران میں ان حالات سے گزرے اس کے لیے تو جائز ہے کہ وہ تنعیم جاکر احرام باندھ لے اور حرم میں ارکانِ عمرہ کی تکمیل کرلے۔ دوسروں کے لیے یہ رخصت نہیں۔ بالفاظِ دیگر تنعیم حائضہ عورتوں کے لیے تو حلّ ہوسکتا ہے، دوسروں کے لیے نہیں، کیوں کہ تنعیم مدینہ کے راستہ پر ہے اور مدینہ والوں کی میقات ذوالحلیفہ ہے، جسے آج کل بئر علی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ایسے ہی وہ جعرّانہ کے عمرہ کو رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص قرار دیتے ہیں، کیوں کہ یہ عمرہ آپؐ نے راتوں رات کیا تھا اور عام صحابہ کو اس کا علم نہیں ہوسکا تھا۔ غیر اہلِ حدیث تمام ہی مسالک عارضی مقیمین مکہ کے لیے تنعیم اور جعرّانہ کو عمرہ کے لیے حلّ قرار دیتے اور وہاں سے احرام باندھنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ راقم

الحروف مسلکاً عامل بالحدیث ہونے کے باوجود بشرطِ دلیل تیسیر اور توسّع کا قائل ہے اور سہولیات سے لوگوں کے فائدہ اٹھا لینے کو قابلِ اعتراض نہیں سمجھتا۔ لیکن جب ایک عالمِ دین نے یہ بات فرمائی کہ تنعیم کے احرام سے حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ نے عمرہ نہیں کیا تھا، صرف اپنی بہن حضرت عائشہؓ کو کرایا تھا تو ناچیز کو واقعی تشویش ہوئی اور اپنے دوست فضیلۃ الشیخ ابوالاشبال احمد شاغف، **باحث شرعی، هيئة الاعجاز العلمي رابطة العالم الاسلامي، مكة المكرمه** سے رجوع ہوا۔ موصوف کی ذاتی لائبریری بہت عظیم ہے جس میں صرف تفسیر، حدیث، فقہ، سیرت اور دیگر علوم اسلامیہ پر سینکڑوں کتابیں ہیں۔ انھوں نے بتلایا کہ ان لوگوں کے لیے، جو عارضی طور سے مکہ میں مقیم ہوں، عمرہ کے لیے تنعیم سے احرام باندھ کر آنا صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ اور آں حضور ﷺ کے حکم سے حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ کے ساتھ خود بھی تنعیم سے عمرہ ادا کیا تھا۔ میری درخواست پر انھوں نے دلیل شرعی کے طور پر بخاریات پر مشتمل ایک مختصر نوٹ لکھ کر دے دیا تھا۔ اس کی روشنی میں میں نے جو مطالعہ کیا ہے اس کا ماحصل ذیل میں درج ہے۔

(۱) امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عباسؓ کی یہ حدیث بیان کی ہے۔

| | |
|---|---|
| **وقت رسول الله ﷺ لأهل المدينة ذاالحليفه ولأهل الشام الجحفة و لأهل نجد قرن المنازل ولأهل اليمن يلملم. هنّ لهن ولمن أتىٰ عليهن من غير هن ممّن أرادالحج و العمرة. ومن كان دون ذلك فمن حيث أنشأ، حتىٰ أهل مكة من مكة.** [۱] | رسول اللہ ﷺ نے مدینہ والوں کے لیے میقات (احرام باندھنے کی جگہ) ذوالحلیفہ، شام والوں کے لیے جحفہ، نجد والوں کے لیے قرن المنازل اور یمن والوں کے لیے یلملم کو مقرر فرمایا۔ یہ میقات ان ملک والوں کے لیے اور ان دوسرے ملک والوں کے لیے ہیں جو ان راستوں سے گذریں اگر وہ حج اور عمرہ کے لیے آئیں۔ |

امام ترمذیؒ [۲] اور امام مسلمؒ [۳] نے بھی حضرت عمران بن حصینؓ سے یہ روایت کی

ہے۔مواقیت الحج والعمرہ کی احادیث صحیح بخاری، صحیح مسلم اور جامع ترمذی کے علاوہ سنن ابوداؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی، مؤطا امام مالک، مسند احمد اور مسند طیالسی میں بھی ہیں۔

(۲) امام بخاریؒ نے حضرت ابن عمرؓ کی ایک روایت بیان کی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ زید بن جبیر نامی ایک شخص نے حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا کہ میں عمرہ کا احرام کہاں سے باندھوں؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ آں حضرت ﷺ نے نجد والوں کے لیے قرن، مدینہ والوں کے لیے ذوالحلیفہ اور شام والوں کے لیے جحفہ مقرر کیا ہے[۴]۔ اس حدیث میں مدینہ والوں کی میقات کا ذکر نہیں ہے۔

صاحب مرعاۃ نے علامہ ابن حزمؒ کے حوالہ سے جحفہ کا نام العریش اور رابغ بھی دیا ہے[۵] اور قرن المنازل کا نام قرن الثعالب بھی ہے[۶]۔ شام والے آج کل رابغ ہی سے احرام باندھتے ہیں، کیوں کہ جحفہ میں اس کی سہولت موجود نہیں ہے۔

(۳) ترمذی میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے:

| | |
|---|---|
| لما أراد النبیﷺ الحج أذّن فی الناس فاجتمعوا فلما أتی البیداء أحرم[۷] | جب نبیؐ نے حج کا ارادہ کیا تو لوگوں میں اعلان کرادیا۔ وہ جمع ہوگئے۔ جب آپ بیداء پہنچے تو احرام باندھ لیا |

صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے:

| | |
|---|---|
| قال البیداء الذی تکذبون فیها علیٰ رسول اللهﷺ والله ماأهلّ رسول اللهﷺ الا من عند المسجد، من عند الشجرة.[۸] | فرماتے ہیں: بیداء کے سلسلے میں تم لوگ رسول اللہﷺ کے بارے میں غلط بات کہتے ہو، اللہ کی قسم۔ رسول اللہؐ نے مسجد کے پاس (شجرہ کے پاس) احرام باندھا تھا |

مذکورہ احادیث میں البیداء، المسجد اور الشجرة کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ لیکن امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں یہ بات صاف کردی ہے کہ ان الفاظ سے مراد دراصل ذوالحلیفہ ہے۔

(۴) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: إنّ رسول اللہ ﷺ وقّت لأھل العراق ذات عرق۹ (رسول اللہ ﷺ نے عراقیوں کی میقات ذات عرق مقرر فرمائی ہے۔)

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ عراق کی فتح کے بعد ہوا۔

(۵) حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ سے مروی ہے: ان النبی ﷺ وقّت لأھل المشرق عقیق ۱۰ (نبی ﷺ نے مشرق والوں کے لیے میقات عقیق مقرر فرمائی۔)

جہاں تک عقیق کا تعلق ہے یہ عرب کے جغرافیہ میں ایک معروف نام ہے۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ ۱۱ میں جو تفصیلات دی گئی ہیں ان کی رؤ سے عقیق نام کی کئی وادیاں ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور تو وہ وادئ عقیق ہے جو مدینہ کے عین مشرق سے گذرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں مدینہ سے مکہ جانے والی سڑک کی پہلی منزل اسی العقیق سے ہوتی ہوئی ذوالحلیفہ تک پہنچتی تھی۔ آج بھی مدینہ سے مکہ جانے والی شاہ راہ یہی ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ نے ابن اسحاق کے حوالہ سے رسول اللہ ﷺ کے ایک سفر کا حال لکھا ہے جس میں عقیق، ذوالحلیفہ اور اولات نام کے چند مقامات کا ذکر آیا ہے۔[۱۲]

عقیق نام کا یہ مقام غالباً مدینہ سے متصل یا اس کے حوالی میں تھا، کیوں کہ حافظ ابن کثیرؒ نے حضرت سعدؓ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: وکانت وفاۃ سعد بالعقیق بالمدینۃ[۱۲ء] (سعدؓ کی وفات مدینہ میں عقیق کے مقام پر ہوئی تھی) پھر آگے ایک جگہ لکھا ہے:

| | |
|---|---|
| وصلّی علیہ الولید بن عتبۃ بن أبی سفیان نائب المدینۃ وفی القوم ابن عمر وأبو سعید وخلق من الصحابۃ وغیر ھم وکان ذلک عند صلوٰۃ العصر و کانت وفاتہ فی دارہ بالعتیق ۱۴ | ان کی نماز جنازہ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان نائب مدینہ نے صحابہ کی ایک جماعت کثیر کے ساتھ ابن عمرؓ ابوسعیدؓ کے ہمراہ نماز عصر کے وقت پڑھی اور ان کی وفات اپنے گھر میں عتیق میں ہوئی تھی۔ |

(عتیق اور عقیق دونوں ایک ہی مقام کا نام ہے)

دائرۃ المعارف الاسلامیہ کے بیان کے مطابق دوسری وادئ عقیق بنومزینہ کے علاقہ میں واقع تھی جسے رسول اللہ ﷺ نے اسی قبیلہ کے بلال بن الحارث کو بطور قطیعہ

(جاگیر) دے دیا تھا۔ بئر رومہ (بئر عثمان بن عفانؓ) اور بئر عروہ بن زبیرؒ اسی وادیٔ عقیق میں واقع ہیں۔ بادنیٰ تأمّل اس وادی کا تعلق ابن عباس والی حدیث سے نہیں معلوم ہوتا۔

تیسری وادیٔ عقیق جسے قدیم تر مؤرخین نے بعض اوقات عقیق ذات عرق لکھا ہے، طائف کے قرب و جوار سے شروع ہوکر الحجاز کے کوہستانی سلسلہ کے اندرونی پہلو کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف پھیلی ہوئی ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک یہ وادی المدینہ سے ملی ہوئی ہے۔ محدثین نے حدیث میں مذکور عقیق سے یہی وادی مراد لی ہے۔ اس پر گفتگو آگے آرہی ہے۔ چوتھی وادیٔ عقیق وسطی عرب میں عقیق الیمامہ یا عقیق تمرہ کے نام سے موسوم تھی۔ آج بھی اس وادی میں تمرہ نام کی ایک بستی آباد ہے جہاں ایک قطعہ نمک 'العقیق' کے نام سے موسوم ہے۔

مذکورہ وادیوں کے علاوہ ایک وادی العقیق بنوعقیل کے علاقہ میں تھی۔ ایک وادی العقیق، البصرہ کے نام سے مشہور تھی۔ عرب شعراء نے العقیق کے نام سے اور بھی کئی وادیوں کا ذکر کیا ہے۔ بنوجعدہ کے ایک چشمہ کا نام بھی العقیق تھا جس کے بارے میں ایک تاریخی جھگڑا ہوا تھا اور آں حضرت ﷺ نے وہ چشمۂ آب بنوجرم کو عطا کردیا تھا۔

عقیق کے نام سے موسوم چند وادیوں میں سے جس وادی کا ذکر حدیثِ ابن عباس میں آیا ہے وہ مذکورہ تیسرے نمبر کی وادی ہی ہوسکتی ہے جسے عقیق ذات عرق کا نام دیا گیا ہے۔ اور یہی ذات عرق اہلِ عراق کی میقات ہے، جیسا کہ حدیث عائشہ میں گذر چکا۔ اہلِ عراق کی میقات کا ذکر الگ حدیث میں اس لیے آیا ہے کہ عراق (جو اس وقت کسریٰ ایران کے ماتحت تھا) کے کچھ مقامات بعد میں فتح ہوئے ہوں گے، جیسا کہ صاحب تحفۃ الاحوذی نے صراحت فرمائی ہے:

| | |
|---|---|
| وقت لأهل العراق بعد اذفتحت العراق[۱۵] | اہلِ عراق کے لیے عراق فتح ہونے کے بعد میقات مقرر کی گئی |

حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے:

فلما رجع الناس من الأحزاب بينا أنا في إبلي بطرف العقيق من ذات عرق راقداً سمعت صوتاً ١٦؎

جب لوگ احزاب سے واپس ہوئے تو ایک موقع پر میں ذات عرق کے علاقے عقیق میں اپنے اونٹوں کے درمیان سویا ہوا تھا کہ اچانک میں نے ایک آواز سنی

ایک جگہ ابن کثیرؒ ابن جریرؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

قال ابن جرير وفي هذه السنة أعني خمس عشرة......ثم ذكر ابن جرير وقعات كثيرة كانت بينهم و ذلك حين بعث عمر بن الخطاب الىٰ سعد بن وقاص يأمره بالمسير الى المدائن،وأن يخلف النساء والعيال بالعقيق ١٧؎

ابن جریر نے ۱۵ھ کے دوران پیش آنے والے بہت سے واقعات بیان کیے ہیں، ان واقعات کے ضمن میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے حضرت سعد بن وقاصؓ کو حکم دیا تھا کہ وہ عورتوں اور بچوں کو عقیق میں چھوڑ کر مدائن کوچ کریں۔

مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ مشرق کی شرح میں لکھتے ہیں:

العقيق هو موضع بحذاء ذات العرق مما ورائه وقيل داخل في حد ذات العرق،وأصله كل مسيل شقّه السيل فوسّعه من العقّ وهو القطع والشّق والمراد بأهل المشرق من منزله خارج الحرم من شرقي مكة الىٰ أقصىٰ بلاد الشرق وهم العراقيون والمعنىٰ حدّرسول الله ﷺ وعيّن لإحرام أهل المشرق العقيق ١٨؎

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عقیق دراصل ذات عرق کے پاس ہی کہیں واقع ہے۔ اور حدیث میں مشرق سے مراد عراق ہے۔ اگرچہ مکہ سے مشرق میں طائف اور مدینہ سے مشرق میں نجد ہے۔ عراق تو دراصل حرم مکی کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ لیکن اس حدیث کی شرح جغرافیہ کی روشنی میں نہیں، بلکہ محدثین کی روش کے مطابق نصوص کی روشنی میں کی جائے گی۔

جہاں تک عقیق اور ذات عرق کے فرق کا سوال ہے تو حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں تصریح کی ہے کہ ذات عرق کی میقات وجوبی ہے اور عقیق کی میقات استحبابی، کیوں

کہ ذات عرق بہ نسبت عقیق کے حرم سے قریب تر ہے۔ مولانا شمس الحقؒ ڈیانوی نے خطابی کا قول نقل کیا ہے۔ وقال الخطابی فی العقیق أثبت منه ۱۹۔ (خطابی نے کہا ہے کہ حافظؒ کی رائے کے برخلاف عقیق کی اہمیت زیادہ ہے)۔ شیخ الحدیث مولانا عبید اللہ مبارک پوریؒ نے بھی اس عنوان پر تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے۔۲۰۔

(۶) آں حضرت ﷺ نے اپنی زندگی میں چار عمرے کیے ہیں۔ ان میں سے ایک عمرہ کا احرام آپ نے جعرانہ سے باندھا تھا۔ اس کا ذکر ابن ہشام نے اپنی سیرت میں ۲۱، امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں ۲۲ اور امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں کیا ہے۔ ترمذی کے الفاظ یہ ہیں:

| | |
|---|---|
| عن محرش الکعبی أن رسول اللہ ﷺ خرج من الجعرانة لیلاً معتمراً فدخل مکة لیلا فقضیٰ عمرته ثم خرج من لیلته فأصبح بالجعرانة کبائت فلما زالت الشمس من الغد خرج من بطن سرف حتیٰ جاء مع الطریق طریق جمع ببطن سرف فمن أجل ذلک خفیت عمرته علی الناس ۲۳ | محرش کعبی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جعرانہ سے رات میں عمرہ کے ارادے سے نکلے، مکہ میں رات میں داخل ہوئے، عمرہ کیا اور رات ہی میں واپس چلے گئے اور جعرانہ میں اس طرح صبح کی گویا رات وہیں گذاری ہو۔ اگلے دن جب سورج ڈھل گیا تو بطن سرف سے نکلے ..... اسی وجہ سے لوگوں کو آپ کے عمرہ کی خبر نہ ہوسکی |

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ آپؐ نے یہ عمرہ راتوں رات کیا، یعنی رات میں جعرانہ سے احرام باندھ کر حرم شریف تشریف لائے اور صبح ہونے تک واپس چلے گئے، دوسری بات یہ کہ یہ عمرہ لوگوں کی نگاہوں سے مخفی رہا۔

ترمذی میں ہے:

| | |
|---|---|
| قال قتادة قلت لأنس بن مالک: کم حج النبی ﷺ قال حجة واحدة واعتمر أربع عمر، عمرة فی ذی القعدة | حضرت قتادہؒ نے حضرت انسؓ بن مالک سے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے کتنے حج کیے تو انھوں نے جواب دیا کہ فقط ایک، |

وعمرة الحليبية وعمرة مع حجته وعمرة الجعرانة اذ قسّم غنيمة حنين ۲۴ | لیکن عمرے آپ نے چار کیے، ایک ذی قعدہ میں، دوسرا عمرۃ الحدیبیہ، تیسرا عمرہ حج (الوداع) کے ساتھ اور چوتھا عمرہ جعرانہ سے، جب آپؐ حنین کا مال غنیمت تقسیم کررہے تھے۔

یہی بات مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری نے لکھی ہے ۲۵۔ ابن ہشام کے بموجب یہ عمرہ بھی ذی قعدہ میں ہوا تھا ۲۶۔

(۷) شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ کے ایک فتویٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ حدیثِ ترمذی میں جس عمرۂ ذی قعدہ کا ذکر ہوا ہے وہ دراصل عمرۂ حدیبیہ کی قضا ہے۔ ابن ہشام نے اسی لیے اس عمرہ کو عمرۃ القضاء یا عمرۃ القصاص کا نام دیا ہے۔ چناں چہ انہوں نے لکھا ہے کہ: ''پھر عمرۃ القضاء کے لیے روانہ ہوئے جس سے گذشتہ سال ذی قعدہ ہی کے مہینہ میں آپؐ کو مشرکوں نے روک دیا تھا......اور یہ حرمت کا مہینہ تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے مشرکوں سے اس کا قصاص لیا۔ چناں چہ ذی قعدہ ۷ھ میں (ایک سال بعد) آپ مکہ میں داخل ہوگئے۔ ۲۷

(۸) امام بخاریؒ نے حضرت عائشہؓ کی روایت بیان فرمائی ہے کہ: ''جب آپؐ حج سے فراغت کے بعد منیٰ سے چلے اور محصّب میں اترے تو آپ نے عبد الرحمٰنؓ بن ابوبکرؓ کو بلایا اور فرمایا کہ 'اپنی بہن عائشہ کو حرم سے باہر لے جاؤ، پھر وہاں سے تم عمرہ کا احرام باندھ لینا، پھر تم دونوں بھائی بہن طواف وعمرہ سے فارغ ہوجانا، میں تم دونوں کا یہیں انتظار کروں گا۔ پھر جب ہم آئے تو آپؐ نے پوچھا 'کیا تم دونوں فارغ ہوگئے؟' ہم نے کہا 'ہاں''۔ ۲۸

مذکورہ حدیث صحیح بخاری میں چونتیس جگہوں پر مختلف شکلوں میں آئی ہے۔ ان میں سے ایک کے الفاظ یہ ہیں:

أخـرج بـأختـک الـحـرم فلتهلّ بعمرة ثم افرغا من طوافكما انتظر | اپنی بہن کو حرم سے (باہر میقات پر) لے جاؤ۔ پھر وہاں سے عمرہ کے لیے لبیک پکارنا

کما ھھنا. فأتینا فی جوف اللیل فقال، فرغتما؟ '۲۹

شروع کرو۔ پھر جب تم دونوں طواف سے فارغ ہوجاؤ تو وہیں انتظار کرو۔ پس ہم رات کے وقت آئے تو آپ نے دریافت فرمایا: 'تم دونوں فارغ ہوگئے؟'۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ کے حضرت عائشہؓ کو عمرہ کرانے کی روایت خود انہی سے ان الفاظ کے ساتھ ہے:

عن عبد الرحمن ابن أبی بکر أنَّ النبی ﷺ أمره أن یردف عائشة ویعمرھا من التنعیم. ۳۰

حضرت عبد الرحمٰن بن ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ حضرت عائشہؓ کو اپنے پیچھے بٹھا کر لے جائیں اور تنعیم سے عمرہ کرائیں۔

حضرات عبد الرحمٰنؓ اور عائشہؓ کے تنعیم سے عمرہ کرنے کی تائید مسند احمد کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

عن عبد الرحمن ابن أبی بکر یقول. قال رسول الله ﷺ' ارحل ھذه الناقة ثم اردف أختک فاذاھبطتما من أکمة التنعیم فأھلا و اقبلا" وذلک لیلة الصدر. ۳۱

اس روایت کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ جب تم دونوں تنعیم میں پہنچ جاؤ تو پھر تم دونوں وہاں سے احرام باندھ کر لوٹو۔ واضح رہے کہ مسند احمد کے محققین نے اس حدیث کو صحیح لغیرہ کہا ہے۔

حضرت عائشہؓ کے اس عمرة القضاء کا ذکر صحیح بخاری اور جامع ترمذی کے علاوہ صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی، مؤطا امام مالک، مسند طیالسی اور مغازی واقدی کے علاوہ سیرت ابن ہشام میں بھی ہے۔

(۹) شیخ الحدیث علامہ عبید اللہؒ مبارک پوری فرماتے ہیں: ''مکہ کے گرد چاروں اطراف کے حدود کی تعیین خود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بحکم خداوندی فرمائی تھی اور حرم کعبہ اور مسجد حرام سے ان حدود کا احاطہ ہر چہار جانب مساوی نہیں بلکہ متفاوت ہے۔

حدیبیہ اور جدہ کی جانب یہ حد دس میل ہے اور یہی فاصلہ طائف کی جانب ہے۔ جعرانہ کی جانب یہ فاصلہ نو میل ہے۔ عرفات، عراق اور یمن اور اس کے اطراف کی جانب یہ فاصلہ سات میل ہے • اور تنعیم کی جانب صرف تین میل۔ جہات مذکورہ میں ان حدود پر علامات نصب ہیں۔ اگر ان علامات کو بخط مستقیم ملایا جائے تو مخمس سے مشابہ ایک شکل برآمد ہوگی"۔۳۲

مولانا شمس پیرزادہؒ لکھتے ہیں: "۶ھ میں جب نبی ﷺ اور صحابہ کرام نے عمرہ کا ارادہ کیا تو مشرکین مکہ نے حدیبیہ کے مقام پر جہاں سے حدود حرم شروع ہوتے ہیں آپؐ کو اور آپ کے ساتھیوں کو روک دیا۔ آپؐ نے وہیں قربانی کر کے احرام کھول دیا"۔۳۳
(حاشیہ ۲۷۶۔ تحت آیت ۱۹۶ سورۃ البقرۃ۔ دعوۃ القرآن ۱/۱۸۱)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں: "عمرۂ حدیبیہ کے موقعے پر آپؐ اور صحابہ کرام نے ذوالحلیفہ سے احرام باندھ لیا تھا اور حرم میں داخل ہو گئے تھے۔ آپؐ نے احرام حدیبیہ کے مقام پر کھولا تھا جو مکہ سے جدہ کی شاہراہ پر تیرہ میل (بائیس کیلومیٹر بقول شمس پیرزادہؒ) ہے۔ اب اس مقام کو شمیسی کہتے ہیں"۔۳۴

مولانا مختار احمد ندوی نے اماکنِ میقات کی جو مسافت مکہ سے دی ہے وہ مندرجہ ذیل ہے:

(۱) ذوالحلیفہ: مکہ سے چار سو پچاس کیلومیٹر اور مدینہ سے پانچ میل یا آٹھ کیلومیٹر۔
(۲) جحفہ: مکہ سے ایک سو ستاسی کیلومیٹر۔ یہ مقام ویران ہو جانے کے سبب اب شامی و مصری حجاج رابغ سے احرام باندھتے ہیں، جو مکہ سے دو سو چار کیلومیٹر ہے۔
(۳) قرن المنازل: نجد والوں کی میقات۔ مکہ سے چورانوے کیلومیٹر ہے۔ آج کل یہ مقام سیل کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اسی کو وادی محرِم بھی کہا جاتا ہے۔
(۴) یلملم: یمن اور جنوب والوں کی میقات۔ مکہ سے چوّن کیلومیٹر دور ہے۔
(۵) ذات عرق: عراق والوں کی میقات۔ مکہ سے چورانوے کیلومیٹر کی مسافت پر ہے۔۳۵
(۶) شمیسی: (حدیبیہ) جدہ والوں کی میقات۔ مکہ سے تیرہ میل یا بائیس کیلومیٹر پر ہے۔۳۶

(۷) جعرانہ: مکہ سے تیرہ میل ہے۔ ۲۷ یا بائیس کیلو میٹر ۳۸ء
(۸) تنعیم: (مسجد عائشہ) مکہ سے صرف پانچ میل یا آٹھ کیلو میٹر ہے۔ (تقریباً)
(۱۰) برصغیر اور مشرق بعید کے حجاج اور معتمرین بحری سفر میں عدن کے سامنے سے اور ہوائی سفر میں بالعموم اپنی روانگی کے ہوائی اڈے سے احرام باندھ لیا کرتے ہیں۔ اس عمل کو تمام ہی مکاتبِ فکر کے علماء کرام نے بجا طور سے غیر ضروری پابندی کے مترادف قرار دیا ہے۔ کیوں کہ ان تمام مسافرین کو بالآخر جدہ کے راستے مکہ کا سفر کرنا رہتا ہے۔ بحری سفر میں تو کسی میقات سے گذرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، ہوائی سفر میں بھی جہاز یلملم کے باہر ہی سے گذرتا ہے۔ (اگر اس راستہ میں حرم کا کچھ حصہ بھی داخل ہو جائے تو واپس باہر نکلنے پر کفارہ لازم ہو جائے گا) اس لیے اگر اپنے ملک کے ہوائی اڈے سے احرام نہ باندھ کر جدہ ہوئی اڈے پر احرام باندھا جائے تو زائرین کو سہولت رہے گی۔ پہلے سے احرام باندھ لینے سے بہت سی پابندیاں اسی وقت سے لازم ہو جاتی ہیں۔

جدہ کے راستے سفر کرنے والوں کی میقات دراصل حدیبیہ کا مغربی کنارہ ہے، جسے آج کل شمیسی کہا جاتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے صلح حدیبیہ کے بعد یہیں پر اپنا احرام کھولا تھا۔ ظاہر بات ہے کہ آپ کے احرام کھولنے کی جگہ حرم میں داخل تھی۔ اس کے بیرونی حصہ سے حلّ شروع ہوتا تھا جسے جدہ کی میقات بننا تھا۔ جغرافیائی اعتبار سے اگر شام والوں کی میقات جحفہ سے یمن والوں کی میقات یلملم تک ایک خط مستقیم کھینچا جائے تو شمیسی اسی خط پر واقع ہوگا۔ اس لیے اس مقام کو جدہ کی میقات ٹھہرانا رسول اللہ ﷺ کے پیغمبرانہ علم اور بصیرت کی دلیل ہے، اور کراع الغمیم سے مدینہ کا راستہ چھوڑ کر حرم کے اندر ہی اندر حدیبیہ تک پہنچنا، جو کہ مغرب والوں کی میقات ہے، دراصل ارادہ و مشیت خداوندی کے سبب ہے، ورنہ قولی احادیث میں اس میقات کا ذکر نہیں ہے۔
(۱۱) مولانا مختار احمد ندوی عمرۂ مکیہ پر شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ کی رائے ملخصاً یوں پیش فرماتے ہیں: